eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

CC BY
OPEN ACCESS

ڈاکٹر طاہر عباس طیب
استاد، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ
ڈاکٹر محمد افضال بٹ
انچارج فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

Dr. Tahir Abbas Tayib **Email:** drtahir.tayib@gcwus.edu.pk
Assistant Professor, Department of Urdu, Government College Women University, Sialkot
Dr. Muhammad Afzal Butt **Email:** m.afzal@gcwus.edu.pk
In charge Faculty of Arts & Social Science, Government College Women University, Sialkot

خالدہ حسین کے افسانوں میں شناخت کا مسئلہ اور عدم تحفظ کا احساس بحوالہ وجودیت

ISSUES OF IDENTITY AND SENSE OF INSECURITY IN KHALIDA HUSSAIN'S SHORT STORIES WITH REFERENCE TO EXISTENTIALISM

DOI: https://doi.org/10.56276/tasdiq.v4i02.125

ABSTRACT

Existentialism strives to analyze the basic structure of human existence calling individuals to an awareness of his/her existence in its essential freedom. This movement fights against those intellectual and social forces which cripple, stifle or destroy freedom.

Khalida Hussain's short stories describe the contemporary facts as well as the inner feelings of the characters. She describes the inner pain and suffering of the characters in such a way that the painful truth of human fears, doubts, hatred, and disgust is seen deeply. These reflect the individual's loneliness and uncertain mortality in their search for themselves, and the fear of insecurity and failure renders them helpless and constrained. Khalida Hussain's characters are intelligent. They want the best of life and have a sense of outwardly and inwardly selflessness. They try to make life meaningful even though they themselves suffer from loneliness, but they are dedicated to sharing share the loneliness and pain of others through their emotions and feelings. She presents mystic ideas and the problem of existentialism in her stories. From this perspective, the anthologies of her stories: are a reference to her contemporary Existentialism. The paper explores contemporary Existentialism in her short stories.

KEYWORDS
Existentialism, Contemporary facts, inner felling, pain, fears, individual loneliness, uncertain mortality, Issues of Identity & Sense of Insecurity

Received: 13-Dec-22
Accepted: 28-Dec-22
Online: 30-Dec-22

علم و ادب کی دنیا میں ابتداء ہی سے انسانی وجود اور اس کی زندگی زیر بحث رہی۔ انسانی وجود ایک پر اسرار شے ہے، جسے کلی طور پر فہم و ادراک میں لانا کٹھن اور دشوار عمل ہے۔ وجودیت ایک ایسا فلسفہ ہے جو انسانی وجود کے بنیادی ڈھانچے کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور فرد کی آزادی اور وجود کے بارے میں آگاہی دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی تحریک ہے جس کی جڑیں تاریخی اعتبار سے ابتدائے علم و فن تک پھیلی ہوئی ہیں۔ البتہ انسان میں پیدا ہونے والی مختلف کیفیات جذباتی، حسیاتی، ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی تبدیلیوں کا فکری انداز سے وجودیت کے ذریعے سے جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ انسان کے وجودی مسائل کا تعین کرنا ہی وجودیت کا خاصا ہے۔ گویا یہ انسانی ذات کی انفرادیت کا فلسفہ ہے۔ ڈاکٹر تاج پیامی لکھتے ہیں:

"حقیقت صرف فرد کا وجود ہے۔ اس کا وجود عقل، اخلاق اور کسی بھی نظریہ سے بالاتر ہے۔"۱

انسانی وجود کی اہمیت اور دریافت، وجودیت کا جوہر ہے جس کا سلسلہ آزادئ فکر و نظر کی نظریاتی کوششوں سے جوڑا جاتا ہے۔ اس لیے وجودیت کا بنیادی منشا یہ ہے کہ فرد کی زندگی، تجربے اور داخلیت کو موضوع بنائے اور فرد کے داخلی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے۔ قاضی جاوید حسین کے مطابق:

"یہ ابتری و مایوسی تمام تسلیم شدہ روایات کے خلاف بغاوت، مادہ پرستی کا تخیل، فکر، ادب و فن میں جذبہ وحدت کا انتشار، عدم تحفظ کا احساس، سماجی، سیاسی، مذہبی، اخلاقی و جمالیاتی اقدار کی شکست وریخت جن سے ہماری ثقافت صورت پذیر ہوتی ہے، نے وجودی فلسفے کو خام مواد فراہم کیا۔"۲

وجودی مفکرین کے نزدیک انسان شعور و آگاہی، داخلی اور ذاتی جذبات و کیفیات کے ساتھ آزادانہ طور پر زندگی گزارنا چاہتے ہیں لیکن زندگی پر قدغن کی وجہ سے وہ عمومی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل اختر مجبی لکھتے ہیں:

"وجودیت ایک ایسا فلسفہ ہے جو عصر حاضر کی ہنگامیت کا جواب دینے کے لیے ایجاد کیا گیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ عام انسانی رویوں میں ایک تغیر کی علامت بھی ہے۔ جس نے ہماری تہذیب کی قلب ماہئیت بھی کی ہے۔ یہ موجود عہد کے فرد کے زندہ تجربے کا آزادانہ اور بے باکانہ اظہار بھی ہے۔ اس کی تعریف ممکن نہیں۔ البتہ اس کے اساسی اور مرکزی رجحانات و میلانات واضح اور روشن ہیں۔"۳

اردو افسانہ میں وجودی فکر کی وجہ سے موضوع اور تکنیک کے ساتھ اس کی ساخت بھی متاثر ہوئی ہے۔ اس لیے تخلیقی فکر اور وجودیت کی ہم آہنگی نے اسے جدید ذہنی اور فکری میلانات سے مربوط کر دیا۔ یوں اردو افسانہ میں جدید اور پیچیدہ موضوعات نے اپنے اظہار کے لیے کئی نئے پیرائے اختیار کیے۔ چنانچہ "اس مخصوص دور میں وجودیت ایک فکری میلان کی حیثیت سے حاوی رہی اور جدیدیت کے بعد مابعد جدید دور میں بھی یہ فکری رویہ اردو افسانے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔(۴) مختصر یہ کہ حالات و مسائل کے ساتھ ساتھ، افسانہ نگار کا نظریہ بھی بدلتا گیا اور وہ ایک نئے زاویے سے زمانے کو دیکھنے لگا۔ یوں اُردو افسانے کی فکر میں وجودیت کے عناصر بالواسطہ اور

غیر شعوری طور پر شامل ہوتے رہے۔ ڈاکٹر رشید امجد کے نزدیک:

"گزشتہ دس بارہ سالوں میں سماجی، سیاسی اور فکری سطح پر جو تبدیلیاں آئی ہیں انھوں نے زندگی کا سارا ڈھانچہ بدل دیا ہے۔ ہم نئے نئے مسائل سے دوچار ہوئے ہیں۔ ان مسائل کا حل پرانوں میں ہے نہ ان کے اصول اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد کر سکتے ہیں۔"۵

وجودی فکر کے اثرات افسانے پر آزادی کے بعد ہی نمایاں ہونے لگے۔ اس دور کے افسانہ نویسوں میں ایک معتبر نام خالدہ حسین کا ہے، ان کی کہانیاں جدید افسانے سے بالکل مختلف ہی نہیں بلکہ بعض معنوں میں اس کی توسیعی صورت بھی ہے۔ اس لیے ان کے افسانوں میں وجودی عناصر بدرجہ اتم ملتے ہیں۔ خواتین افسانہ نگاروں میں خالدہ حسین کو ایک منفرد اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کا پہلا افسانہ "نغموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں" قندیل میں ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

خالدہ حسین کے افسانوی مجموعوں میں "پہچان"، "دروازہ"، "مصروف عورت"، "ہیں خواب میں ہنوز" اور "میں یہاں ہوں" قابل ذکر ہیں۔ ان کے افسانوں کا بنیادی موضوع فرد کے وجود کی تلاش اور اس کے عدم تحفظ کے احساس کی داستان ہے، جس میں خوف، نفرت اور اذیت اس کا پیچھا کرتے ہیں لیکن وہ حوصلے اور ہمت سے زندگی کے گہرے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے وجود کی تلاش کر سکے۔ اپنے افسانوں کے بارے میں خالدہ حسین رقمطراز ہیں:

"لکھنا میرے لیے مشغلہ نہیں حصولِ شہرت کا ذریعہ بھی نہیں اذیت ہے مسلسل کرب ہے۔۔۔ میری خواہش محض اس قدر ہے کہ ان کہانیوں کے ذریعے کچھ لوگوں سے ہم کلام ہو سکوں جو میرے تجربے میں شریک ہوں۔"۶

لکھنا خالدہ حسین کے لیے وجود کی تلاش اور وجود کے رشتے کو قائم رکھنے کی ایک کوشش ہے اور اس کوشش میں عدم تحفظ، یقینی اور بے یقینی کی کیفیت کا خوف، فنا اور بقا کی جنگ، اور اس کے ساتھ زندگی سے محبت انھیں لکھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ وہ مروّج اصولوں سے ہٹ کر ذات کی تلاش کے لیے تگ و دو کرتی ہیں۔ اس عمل میں انسان کو نفرت، خوف اور اذیت جیسے عوامل منزل پر جانے سے روکتے ہیں۔ ان کے بہت سے افسانوں میں متوسط طبقے کے لوگوں کی حالتِ زار کو اس طرح بیان کیا گیا کہ یہ کردار ہماری زندگی کا حصہ معلوم ہوتے ہیں، جنہیں نہایت چابک دستی سے خالدہ حسین نے علامتی اور تجریدی انداز کے ذریعے سے زندگی کے وسیع کینوس پر ظاہر کیا ہے۔ ان کے بیشتر افسانوں میں وجودیت کا اظہار ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی تحریک اور مزاحمت کے گرد گھومتی ہے۔ انہوں نے خاص طور پر انسانی وجود اور شناخت کو موضوع بنایا۔ ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ لکھتی ہیں:

"ان کے افسانوں میں عصری شعور، سماجی بد دیانتی سے بگڑتی صورت حال، اخلاقی اقدار کی پامالی کا نوحہ بھی ہے اور فرد کے ذاتی المیوں اور وجودیاتی مسائل کی روداد بھی، متصوفانہ واردات اور ماورائی مابعد الطبعیات کے اسرار بھی۔۔۔ ایک ایک لمحہ، ایک ایک قدم، ایک ایک شے، زمان و مکان، مادیت و ماورائیت، وجودیت اور تصوف، خارجی عمل اور تحت الشعور، ان سب

کا ایک ہی مرکز ہے۔ فرد کا اپنی ذات سے اس ذات باری کی جانب سفر اور ارتکاز ہی پہچان کے سارے دروازے کھولتا ہے، ایک افلاک تک رسائی دیتا ہے۔"۷

افسانہ "بھٹی" میں شناخت کا مسئلہ، عدم تحفظ کا احساس، فرد کی آزادی، جبر و قدر اور عرفانِ ذات کے ساتھ ساتھ خود شناسی یا آزادیٔ قلب کی خواہش نظر آتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے بہروپ کی پرت جم گئی ہو۔ وقت ہماری مٹھی میں ہونے کے باوجود ہم اپنا راستہ اور اپنی سمت کی پہچان نہیں کر پاتے۔ ہم ایسی بھٹی میں پھنسے ہوئے ہیں جس میں سیال مادہ، ان دیکھے سانچے میں بدل دیتا ہے۔ کہانی میں زندگی کے اسرار و رموز کے حوالے سے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے۔

"راستوں کا کیا ہے۔ وہ خود چلنے والوں کے قدم بنا لیا کرتے ہیں۔ اصل چیز تو سمت ہے۔۔۔ آج اسے معلوم ہوا کہ پرندے کس طرح اپنی اڑان سے بھرے ہوتے ہوں گے۔ لباب بھرے ہوتے ہوں گے اور خود بخود پرواز کرتے ہوں گے، بغیر کسی ارادے کے، بغیر کسی ارادے اور حوالے کے۔"۸

"ہماری زندگی فریب دینے اور فریب کھانے، شکست دینے اور شکست کھانے کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔"۹

البتہ کہانی کے کردار میں تخیل، دور اندیشی یا فکری بصیرت کا فقدان نظر آتا ہے۔ افسانہ "زبان" میں انسانی ذہن پر پیدا ہونے والے گہرے اثرات کو دکھایا گیا ہے۔ زندگی نیند اور وہم میں گزرتی چلی جارہی ہے۔ سوئے ہوئے لمحات جاگتے لمحات سے کہیں بامعنی نظر آتے ہیں۔ مرکزی کردار کو نیند وقت بے وقت گھیر لیتی ہے۔ میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کی بیماری کا وہم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں ایک دوسرے کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

"تمام کائنات لمس پر زندہ تھی۔ خس و خاشاک سے لیکر جانداروں تک۔ سب دکھ خوشی خوف میں باہم یہی زبان بولتے ہیں وہ زبان کہ جس کی کوئی لغت نہیں۔"۱۰

کہانی میں لمس کے احساس کو اجاگر کیا گیا ہے، لیکن اس لمس کی ابھی تک کوئی لغت ایجاد نہیں ہوئی۔ گویا انسان زبان کے بجائے لمس پر زندہ دکھائی دیتا ہے۔

افسانہ "آخری خواہش" میں غربت، غیر منصفانہ رویے اور حقوق کی عدم دستیابی جرم کا سبب بنتی ہے۔ ہنسی کب سسکیوں میں بدل جائے پتا بھی نہیں چلتا۔ جلاد جو چوبیس سال تک زندگی کی قدر و قیمت اور وجود کے احساس کو نہ سمجھ سکا اور چپ چاپ اپنے فرائض سر انجام دیتا رہا، لیکن وہ آج ایک عجیب پریشانی کی وجہ سے استعفیٰ پیش کرتا ہے کہ وہ اب نوکری کے لائق نہیں رہا۔ کیونکہ جب اس نے سزائے موت پانے والے مجرم سے پوچھا کہ تیری آخری خواہش کیا ہے؟ تو اس نے کہا میں نے آج تک گلاب جامن نہیں کھائے، آج میں جی بھر کے گلاب جامن کھانا چاہتا ہوں۔ کہانی جاذبیت اور مکالماتی انداز سے کمال خوبصورتی سے آگے بڑھتی ہے۔ خالدہ حسین نے اپنے افسانوں میں فرد کے عصری مسائل کو بھی اجاگر کیا ہے۔ افسانہ "دوسرا آدمی" میں وجودی واردات کو بیان کیا گیا ہے کہ زندگی جب ساتھ

چھوڑنے لگتی ہے تو انسان نئے سرے سے زندگی کو دیکھتا ہے۔ یوں کہانی میں مرتے ہوئے شخص کے احساسات و تجربات کو بیان کیا گیا ہے۔

"مگر۔ مگر۔ میں تو زندہ ہوں۔ مرا تو وہ ہے۔۔۔ وہ۔"۱۱

افسانہ "مکالمہ" میں ایسی عورت ہے جو اپنے گھر کی ہر چیز سے واقف اور اسے سینت سینت کر رکھتی ہے۔ چیزوں سے خود کلامی کا عنصر مگر اپنی ذات سے بے خبر۔ کہانی میں جنریشن گیپ کے ساتھ ساتھ شک و شبہ اور انجانا خوف بھی دکھائی دیتا ہے۔ اقتباسات ملاحظہ کیجیے۔

"یہ تمھارے ساتھ والا احتجاج پر اتر آئے گا کیا تم اس دن کے انتظار میں ہو۔"۱۲

"دنیا بڑوں اور بزرگوں سے خالی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہر شخص نو عمری کے حصار میں داخل ہو چکا ہے۔"۱۳

افسانہ "سرنگ" میں دکھایا گیا ہے کہ ایک انسان جب ایک ہی حالت میں قید رہے تو وہ جمود کا شکار ہو جاتا ہے۔ حنیفہ احمد نے مختلف سرنگوں میں اپنے وجود کو بانٹ لیا تھا۔ وہ پچھتاوے اور احساس کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہے، اسے ہر چیز دھندلی دکھائی دینے لگی۔ وہ وقت کی قید سے زیادہ وجود کی قید کی وجہ سے نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو گئی۔ افسانہ "کان" میں بھی خود منکشفی کا عنصر اور خیالی دنیا میں تنہائی کا جہاں آباد ہے۔ وہ سب کچھ دیکھنے اور محسوس کرنے کے باوجود خود کو پہچان نہ سکا۔ اس کے کان سوچ اور تخیل سے متاثر ہونے کے باوجود وہ سرگوشی سے مختلف منصوبے بنتا ہے۔ یوں وہ مختلف مصروفیات میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ افسانہ "سایہ" میں کردار بے سمتی کا شکار، ماضی اور حال کی دہلیز پر کشمکش کا شکار دکھائی ہے۔ اس سلسلے میں منشا یاد لکھتے ہیں:

"ان کے فن پر فلسفہ وجودیت اور تصوف کا گہرا اثر اور آمیزش ہے۔ وہ خارج کی زندگی، واقعات اور خارجی حقائق کو بھی ذات کے آئینے میں اور وجو و کے وسیلے سے دیکھتی اور ان کے معانی تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔"۱۴

افسانہ "ایک بوند لہو کی" میں ایک ایسے انسان کی تنہائی کو بیان کیا گیا ہے۔ جو اکیلا رہنے کے سبب خود کو غیر محفوظ اور عدم تحفظ کا شکار سمجھتا ہے۔ وہ اکتاہٹ، تنہائی کا کرب محسوس کرتا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار جمود کا شکار جو دوسروں سے ملنے کے باوجود اکیلا ہے۔ وہ خوشی اور غم سے لاتعلقی کے باوجود حقیقت سے فرار حاصل نہیں کرتا اور اپنے وجود کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

"یہاں بے حسی کو بھی کوئی نہیں پہچانتا۔ سب بے حسی کا وجود تسلیم کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔"۱۵

"اپنے آپ کو یوں فراموش کر دینے میں بڑا سکون تھا۔ جیسے انسان کے جسم کا بوجھ ختم ہو جائے۔ ایک مکمل توازن جو اسے فضا میں معلق رکھے۔"۱۶

خالدہ حسین ایک ایسی عورت کا وجود رکھتی ہیں جو فکر اور مشاہدے کے ذریعے معاشرتی مسائل پر قابو پانا چاہتی ہیں۔ وہ انسانی زندگی کی پیچیدگیوں اور نفسی کیفیات کو بیان کرتی ہیں اور معمولی واقعات سے ہمیں انسانی باطن کی دنیا سے روشناس کراتی ہیں۔

خالدہ حسین کے افسانوں میں ظاہری طور پر عمومیت پائی جاتی ہے لیکن اس عمومیت میں جامعیت، خاصیت اور پر اسراریت کا نزول ہوتا ہے۔ یہ دراصل افسانے کے تاثر اور تجربے کی صداقت پر مبنی ہے، جن میں انسانی زندگی کی الجھنوں کا عکس پایا جاتا ہے۔ ان کے افسانوں کی مخصوص فضا میں ایک پُر اثر کشش موجود ہے۔ ان کے ہاں موت کا خوف، رشتوں کے تقدس کی پامالی اور اجنبی معاشرے میں اپنی شناخت کی کوشش کا احساس بھی گہرا نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر اعجاز راہی کے نزدیک:

"خالدہ حسین حیرت کی افسانہ نگار ہیں۔ حیرت زندگی کے اس سرچشمہ حیات سے پھوٹتی ہے۔ جس کے سامنے زمان و مکان کی حد بندیاں بے معنی اور کائنات کی تنگ دامانی ہیچ ہوتی ہے اس کی زقند کائنات کی وسعتیں توڑ کر باہر جانے اور لوٹ آنے کی توصیف سے متصف ہے۔"۱۷

افسانہ "دھند" میں ایک ایسے شادی شدہ جوڑے کی کہانی کو بیان کیا جو کئی برسوں سے ایک ساتھ رہنے کے باوجود ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ مرکزی کردار گمشدہ بیوی کی رپورٹ درج کروانے پولیس اسٹیشن جاتا ہے جب پولیس اہلکار اس سے بیوی کا حلیہ پوچھتا ہے تو اسے اپنی بیوی کی شبیہ تک یاد نہیں ہوتی۔ کہانی میں فرد کی بے حسی موضوع ہے۔

"اس وقت دھند کا ایک طویل و عریض وقفہ میری یاداشت میں پھیلا تھا۔ ایک بے معنی دھند، جو ہر مانوس شے اور میرے درمیان حائل ہو گئی۔"۱۸

خالدہ حسین کے افسانوں میں نظریاتی چھاپ کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ ان کے کردار فطری اور معاشرے کے چلتے پھرتے افراد ہیں۔ انہوں نے اپنے کسی بھی کردار کو ذاتی کوشش یا تخیل کی رنگ آمیزی سے پیش نہیں کیا۔ البتہ کرداروں کی داخلیت اور اندرونی ذہنی کیفیات ایک دوسرے پر حاوی ہوتے ہوئے کشمکش کا شکار نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں شناخت کا مسئلہ اور عدم تحفظ کا احساس پایا جاتا ہے۔ انھوں نے تکنیکی سطح پر استعارہ، علامت، اور تجرید کا سہارا لیتے ہوئے انسانی وجود کی بازیافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں گہری معنویت پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر سجاد حیدر لکھتے ہیں:

"نفسی کیفیات کے ساتھ وجودی فلسفیوں کا نقطہ نظر بھی ان کے ہاں ملتا ہے۔۔۔ماورائیت کو سمجھنے کی کوشش میں قلبی واردات، ارادہ خیال یا تصور کو باہم ملا کر عمل کا متبادل بنا دیتی ہیں۔"۱۹

خالدہ حسین انسانی وجود کی ناقدری کے ساتھ ساتھ استحصالی قوتوں کا ذکر کرتے ہوئے، عہدِ حاضر کی نفرتوں، قدروں کے زوال اور اخلاقیات سے گرے ہوئے معاشرہ کا ذکر کرتی ہیں۔ افسانہ "ابنِ آدم" میں دو متضاد رویے، ایک زندگی قربان کرنے اور دوسرا جان کے تحفظ کی طرف اکساتا ہے۔ یہ رویے ایک المیہ پیدا کرتے ہیں۔ جو دہشت گردی کے موضوع سے کہیں بڑا ہے۔

"آدمیت ختم کرنا بھی ایک ہنر ہے۔ اور جب تک تم آدمیت ختم نہ کرو گے، کمزور سے کمزور بھی تمھیں تنگ کرتا رہے گا۔"۲۰

افسانہ "دادی آج چھٹی پر ہیں" میں مذہبی انتہاء پسندی اور متضاد فکری رویے جنم لیتے ہیں، جیسے شیطانی کاموں میں زیادہ ہنسنا، موسیقی کا حرام ہونا اور شعر و شاعری اور کہانیاں لکھنا گناہ تصور کیے جاتے ہیں۔ دوسری طرف دادی کتابیں لکھتیں اور موسیقی سنتی ہیں، لیکن جب دادی مر جاتی ہیں تو پوتی سوچتی ہے کیا واقعی دادی دوزخ میں جائیں گی؟ یہ ایک ایسا معاشرتی نوحہ ہے جس میں عزیز رشتے بھی شدت پسندی جیسے نظریات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کہانی کی راوی ذہنی انتشار اور بے یقینی کا شکار ہے۔ ڈاکٹر طاہر مسعود لکھتے ہیں۔

"ان کی بھید بھری کہانیوں میں تشکیک، ابہام، بے یقینی اور استعجاب کی فضا ملتی ہے۔"۲۱

افسانہ "اسم اعظم" میں نوجوان اجمل محبوبہ اور بیوی کی محبت میں الجھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کہانی کا ش میں مبتلا دکھائی دیتی ہے۔ لاحاصل ہمیشہ موجود سے زیادہ پر کشش دکھائی دیتا ہے اور خوف دراصل بے آرام ضمیر کی پیداوار ہے۔ افسانہ "ثالث" میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ حالات انسان کو برداشت کرنے کی تربیت فراہم کرتے ہیں اور وہ اپنی خواہشات کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اسے ایک ثالث کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر اعجاز راہی لکھتے ہیں:

"خالدہ حسین نے جدید کہانی کی تعمیر میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے اپنے کرداروں کی نفسیاتی کشمکش کو وسیع تر معاشرتی تصویر میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور ان کی رمزیت اور معنویت کو سیاسی سماجی حوالے کے پس منظر میں از سر نو دریافت کیا ہے۔"۲۲

افسانہ "شہر پناہ" کا مرکزی کردار تسنیم انا بینا پن کے ساتھ جیتی ہے۔ اندھیرے کے گنبد میں خود کو بے سہارا پاتی ہے۔ وہ وقت کی کڑیوں سے کڑیاں ملا کر دکھ اور محرومی میں بھی امن تلاش کر لیتی، ماں کے پاؤں چوم کر رو لیتی، لیکن اب بستر مرگ پر زندگی اور موت کی کشمکش سے لڑتے ہوئے اسے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس دنیا نے اسے زور سے بھینچ ڈالا کہ وہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی۔

"دراصل اسے منظر خوفزدہ کرتے تھے۔ حادثے نہیں۔"۲۳

تسنیم تنہائی اور بیگانگی کے باوجود حقیقت سے فرار کا راستہ اختیار نہیں کرتی۔ ظفر نے اسے اندھیر نگری میں سہارا دینے کی کوشش کی مگر اب اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہو چکی تھی۔ ایک عرصہ بعد اسے من کی گہرائیوں سے رونا نصیب ہوا مگر اس دوران وہ آپ ہی اپنی پناہ تھی تنہائی کی دہشت کا سامنا کر کے وہ اب ہر چیز سے آزاد ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر ناہید قمر کے مطابق:

"خالدہ حسین نے اپنی کہانیوں میں حقیقت زیست کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ حسیات کی گرفت میں آنے والے مناظر اور مظاہر پر غور کرتے ہوئے وجود کے مفاہیم کی اس جہت تک رسائی کی جستجو کرتی ہیں"۔۲۴

خالدہ حسین نے انسان کے کرب، کشاکش، بیزاری، خوف، تنہائی، بے کسی و لاچاری، محرومی کے دور کرنے کے لیے انسانی وجود کو موضوع بنایا ہے۔ انسان زندگی سنوارنے کے لیے اس قدر مصروف ہو جاتا ہے کہ اپنے ارد گرد سے بے خبر، اس کی زندگی مشین بن کر

رہ جاتی ہے۔ افسانہ "ایک دفعہ کا ذکر ہے" میں گہرے تانیثی شعور کے ساتھ خود کلامی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ جس میں شجر حجر، چرند پرند، کیڑے مکوڑے غرض ہر چیز اس سے ہم کلام ہے۔ کبھی اس کا وجود پاؤں میں روندے ہوئے کیڑے کے ہمراہ اور کبھی آسمان کی قوسوں پر جھولتا دکھائی دیتا ہے۔

"لہو کی اپنی زبان اپنے لفظ ہیں اور جو لوگ یہ زبان جانتے ہیں ان کا لہو ان کا اپنا نہیں، کسی انجانے معاہدے کا پابند ہوتا ہے۔"۲۵

"گردن کا لہو قطرہ قطرہ گر کر یاقوت بن سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے بھی گردن کا کٹنا لازمی ٹھہرتا ہے۔"۲۶

افسانہ "سواری" میں ہمارے دور کے خوف ناک منظر کو پیش کیا گیا ہے۔ جس میں محرومی اور عدم تحفظ کا احساس نمایاں ہے۔ خالدہ حسین نے فرد کی گہری تنہائی اور خوف کا ذکر کیا ہے۔ انسان مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے ان چاہی راہوں پر چل نکلتا ہے جہاں پہنچ کر راستہ بند نظر آتا ہے اور چاہتے ہوئے بھی کوئی متبادل نہیں مل سکتا ہے۔ افسانہ "پرندہ" میں انسانی زندگی کو علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس میں انسان پر خوف کے وجود کا عکس نظر آتا ہے۔ وہ خود فریبی کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسانی وجود کی اہمیت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک اس کا تعلق دوسروں سے قائم رہے، جہاں یہ ربط ختم ہوا وہیں انسان کی اہمیت مرے ہوئے پرندے کی مانند ہو جاتی ہے۔ افسانے میں تصوف سے لگاؤ، جز سے کل کے ملنے کی خواہش نظر آتی ہے۔ کردار ذات کی شناخت کے متلاشی ہیں۔

"دن کے اجالے میں ہم اپنے آپ کو دوسروں میں کھو دینے کی کوشش کرتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ وہ لمحہ ختم ہوا۔ مگر یہ سب غلط ہے۔ رات، نیند اور فنا ہم پر تنہا آتی ہے۔ تم نے سنا۔۔۔ تنہا۔"۲۷

خالدہ حسین کے افسانہ "دشمن" میں بھی وجودی کرب کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ وہ ان لوگوں کے لیے کڑھتی ہے جو دوسروں کی نظر سے زندگی کو دیکھتے ہیں۔ کیونکہ انسان تشکیل دی گئی شے نہیں۔ انسانی زندگی کو سمجھنا تو ایک فیصلہ ہے جو انسان کو حسب طاقت آزاد ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ خالدہ حسین کرداروں کے ذریعے سے عدم تحفظ کا احساس کو ختم کر کے اپنے وجود کو تسلیم کرانے کی کوشش کرتی ہیں۔ کار جہاں میں انسان کی شمولیت محض مجہوریت کی آئینہ دار ہے۔ وہ دوسروں کے وجود کو تو تسلیم کرتا تھا لیکن اپنے وجود کو اہمیت نہیں دیتا۔ ان کے کئی کردار اسی قسم کی تکلیف کا شکار نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات آزادی وقتی طور انسان کے لیے عذاب بھی بن جاتی ہے لیکن انسان رفتہ رفتہ اپنی پریشانیوں کا حل ڈھونڈنے کے قابل ہو جائے گا۔ یوں وہ شناخت کا مسئلہ اور عدم تحفظ کے احساس کو ختم کرنے کی خواہش مند دکھائی دیتی ہیں۔

خالدہ حسین کے افسانوں میں گہرا تہذیبی و سماجی شعور نظر آتا ہے۔ اس سماجی بے حسی میں جب انسانی صلاحیتیں ماند پڑتیں ہیں تو انسانی وجود بھی ناکارہ مشین کی طرح اپنی اہمیت کھو بیٹھتا ہے۔ اور وہ وجودی کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ خالدہ حسین کے افسانوں میں دلچسپی اور تجسس کا عمل گہر نظر آتا ہے۔ وہ انسانی قدروں کو اہمیت دیتی ہیں۔ وہ انسانی قوت عمل اور شعور کے ذریعے ان پر قابو پانا چاہتی

ہیں۔ خالدہ حسین انسانی کرب کو واقعیت کے پردے میں اس طرح ظاہر کرتی ہیں کہ افسانہ ایک لمحے میں حقیقت نگاری کا نمونہ نظر آتا ہے تو دوسرے ہی لمحے علامت کا درجہ اختیار کر جاتا ہے۔ ان کی کہانی کے واقعات اور علامتیں ذاتی تجربات و احساسات کا مجموعہ ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کے فطری اور جبلی رویوں کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں، جنھیں تخلیقی و تجرباتی بصیرت کے ذریعے کرداروں کے دکھوں اور تکلیفوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔

خالدہ حسین وجود کی تلاش میں زندگی کی داخلی اور خارجی کیفیات میں انسان کی مختلف پرتوں کا عمیق نظری سے تجزیہ کرتی ہیں۔ ان کے کردار مادہ پرستی، خواہشات کے حصول دنیاوی دلکشی و رنگینی اور لذتوں کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ یوں وہ اپنی شناخت اور پہچان سے عاری دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ ذات اور وجود کی پہچان نہ ہونے سے انسانی شعور کو دکھ درد اور کرب میں ڈال دیتی ہے۔ جہاں دنیاوی تدبیریں ناکام اور بے سود دکھائی دیتی ہیں۔ گویا کرداروں کی ذہنی حالت ایک مناظرے کی کیفیت کو بیان کرتی ہے۔ وہ کہیں ذات کے ٹوٹنے اور بکھرنے، یقین اور بے یقینی کی کیفیات، خوف و تنہائی اور جبر کی صورت سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ تو وہ ان عوامل سے انسانی ذات اور وجود کو تلاش کا ذریعہ بناتی ہے۔ بقول محمد حمید شاہد:

> "خالدہ حسین کا معاملہ یہ ہے کہ وہ مادی تفہیم سے آگے نکل جاتی ہے اور زندگی کے ہر مظہر کے باطن اور خارج میں جاری واقعے کی ہر لہر کی روح پر دستک دے آتی ہے۔ وہ مسلسل اس کوشش میں رہتی ہے کہ تہہ میں اترے اور نظر آنے یا محسوس ہونے کی ماہیت اور اصل کو پالے۔"۲۸

خالدہ حسین انسانی وجود کے اندر موجود اُن بھیدوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہیں جن کی جڑیں ذات کی گہرائیوں میں پائی جاتی ہیں۔ جس سے وہ تہہ دار کیفیات ظاہر ہوتی ہیں جن سے پہلے ہم بے خبر تھے۔ وہ اپنے شعور کے ذریعے انسانی وجود کو درپیش خطرات کو محسوس کراتی ہیں۔ اس عمل میں وہ اپنے تخلیقی شعور کا سہارا لیتی ہیں۔ جس میں خوف بھی ہے، امید بھی، وجود کی تلاش بھی اور عدم تحفظ کا احساس بھی۔ ان کی کہانیوں کا خمیر انسانی وجود کی گہرائی میں دبی ہوئی چیزوں کی دریافت کا نام ہے۔ یہ کہانیاں زمینی حقائق سے الگ نہیں بلکہ خارجی اور داخلی واقعیت کی مختلف سطحوں سے روشناس کراتی ہیں۔ انتظار حسین کے خیال میں:

> "اصل میں یہ زمین دوز کہانیاں ہیں، ہلچل اور ہنگامہ بہت ہے لیکن سب تہہ کے نیچے۔ اوپر کی سطح پر خاموشی ہے۔ بے حرکتی ہے۔"۲۹

وجود کی بقا اور ذات کی تلاش میں خالدہ حسین کو کئی مقامات پر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انسانی وجود کے دکھ اور کرب کو بھی موثر انداز میں پیش کرتی ہیں۔ انسان معاشرتی جبر کا شکار ہے اور کہیں مادیت کے باعث اپنے وجود کی تلاش میں گم صم ہے۔ خالدہ حسین افسانے میں خود کلامی کے ذریعے ایک منظر و ماحول کے ساتھ فضا کو یکسر تبدیل کر دیتی ہیں۔ وہ انسانی ذات کے مختلف پہلوؤں اور زاویوں کا انکشاف کرتی ہیں جن میں گہرائی اور ہمہ گیری پائی جاتی ہے جو تصنع اور بناوٹ سے پاک ہیں۔ وہ ان سماجی ناانصافیوں کا

ذکر بھی کرتی ہیں جن سے انسانی وجود اور جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ جس سے تنہائی، نفرت اذیت اور خوف کی زنجیریں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے افسانوں کی بنت میں سماجی شعور واضح نظر آتا ہے۔

خالدہ حسین کے کردار انفرادی طور پر لاحاصلی، بے یقینی اور خوف کا شکار ہیں۔ جیسے ان کی منزل کو دھند اور خوف کے بادلوں نے گھیر رکھا ہو۔ وہ معاشی محرومیوں کی وجہ سے مختلف المیوں کا شکار ہیں۔ وہ انسان کے باطن کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں شناخت کا مسئلہ اور عدم تحفظ کا احساس، تنہائی اور خوف کا احساس گہری معنویت رکھتا ہے۔ بقول کشور ناہید:

"خالدہ حسین کی کہانیوں کے انداز نے رشتوں کی گانٹھوں کو کھولنے کی بنیاد ڈالی ہے۔"۳۰

افسانہ "ہزار پایہ" ایک ایسے خوف زدہ شخص کی کہانی ہے جو سرطان جیسے موذی مرض کا شکار ہے۔ جو اپنے جسم کے درد اور تکلیف کو دوائیوں سے کم کرتا ہے۔ لیکن مرنے کے بعد بھی اس کی روح دنیاوی چہروں کو محسوس کرتی ہے۔ یہاں انسان کی جسمانی اور روحانی درد کی کیفیات کو وجودی واردات کے پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ انسان کو ترقی کی دوڑ میں دوسروں سے سبقت کی سعی و جستجو اس قدر تھکا دیتی ہے کہ اس کے اندر ہزار پا کی شکل میں پرورش پا گئی۔ ہزار پایہ بیماری اور موت کا ہیبت ناک تصور ہے جسے ہر ذی روح کو گزرنا ہے۔ موت کا یہ تصور اسے اپنی شناخت سے دور کرتا ہے اور وہ اپنے معاشرے میں اجنبی کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ کہانی ہزار پایہ وجودی صورتحال کی علامت ہے۔ کہانی آگاہی کے کرب اور ادراک کا استعارہ ہے۔ افسانے میں زندگی کے دکھ اور کرب کو سرطان کہا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر نجیبہ عارف:

> وحدت الوجودی تجربے کا ایک نئی طرح کا اظہار خالدہ حسین کی کہانیوں میں بکھرا ہوا ہے۔ خالدہ حسین کی کہانیاں جدید حسیت کی ترجمان ہیں۔ ان کی بیش تر کہانیوں کے مرکزی کردار کو وجود کی حدیں مٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔"۳۱

افسانہ "گوالن" میں یہ دکھایا گیا ہے کہ جب تک انسان کی نیت ٹھیک رہتی ہے تو ہر کام ٹھیک رہتا ہے۔ جب کھوٹ پیدا ہو جائے تو ہر چیز بدل جاتی ہے۔ افسانہ "ڈولی" میں بھی عورت کی رضامندی کو ثانوی اہمیت دی جاتی ہے۔ کہانی میں وجودی عناصر کے ساتھ ساتھ اساطیری فضا سے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ یہ کہانی بیماری اور موت کے تجربے کے طور پر سامنے آنے والی وجودی صورتحال کا علامتی اظہار ہے۔ اس کہانی کو آگہی کے کرب کا نام دیا جا سکتا ہے۔

خالدہ حسین نے انسان کے اندرونی دکھ، درد، خوف کے شکوک و شبہات، نفرت اور کراہت کی کرب ناک صورت حال کو نا صرف بیان کیا۔ بلکہ ذات کی تلاش میں فرد کی تنہائی اور غیر یقینی کیفیات، عدم تحفظ اور لاحاصل کا خوف کو بھی موضوع بنایا۔ وہ زندگی کو با معنی بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان کے کردار تنہائی کے عذاب سے دوچار ہوتے ہوئے شناخت کے مسئلے اور عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ مبین مرزا لکھتے ہیں:

> "قلب ماہیت سے گزرنے والا تجربہ ان کے یہاں بسا اوقات زندگی سے اتنا بڑا ہو کر سامنے آتا ہے کہ اس کی معنویت ایک

کردار یا فرد کی نہیں، بلکہ پوری تہذیب کی سطح پر آکر ظاہر ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ سارے بڑے تخلیق کاروں کی طرح خالد حسین بھی زندگی کی گرہ کھولتے مشاہدات اور تجربات کو دکھاتی تو بے شک کردار کے زاویے سے ہیں، لیکن اس کے ساتھ وہ بڑی ہنرمندی سے ماجرے کے سیاق وسباق واضح کرنے والا عصری سماجی تناظر بھی مربوط کر دیتی ہیں کہ جو رزم گاہ حیات میں انسانی سرشت اوراس کے اعمال کے عقب میں کارفرما اسباب اور محرکات کو پڑھنے والے کی آنکھوں سے اوجھل نہیں رہنے دیتا۔"۳۲

افسانہ "لفظ" میں معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف مزاحمت نظر آتی ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار تاجی جو مصوری کے فن میں مہارت رکھتا ہے۔ اس کی بنائی ہوئی تصاویر دوسرا شخص اپنے نام سے لوگوں کو بیچتا ہے۔ یوں طاقتور کس طرح کمزور لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ افسانہ "سیٹی" جس کا موضوع عورت ہے اور جس کی خواہش ہے کہ اسے شخصیت کے طور پر قبول کیا جائے اس کی صلاحیتوں پر جنس کو فوقیت نہ دی جائے۔ وہ عورت کی مکمل پہچان اور شناخت چاہتی ہیں۔ وہ انسانوں کے داخلی اور باطنی تجربات اور اس کے نتیجے میں ہونے والی شکست وریخت کو اپنی کہانی کے قالب میں ڈھال لیتی ہیں۔ افسانہ "دروازہ" میں ایک ایسا شہر، جو مادیت کو نظر انداز کر کے روحانیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ افسانہ "ایکشن ری پلے" میں ذات وکائنات کے تعلق کو آپس میں جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ افسانہ "درخت" انکشافِ ذات کا استعارہ ہے۔ خالدہ حسین کے افسانوں میں خود کلامی کا عنصر اپنے اندر باطن کی آواز بن کر سامنے ابھرتا ہے۔ ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ لکھتی ہیں:

"کہانیوں کے کردار رشتوں اور محبتوں کے طلبگار لیکن ٹوٹتے رشتے انھیں زخم زخم کرتے، اذیتوں کے جہنم میں دھکیلتے، انا اور خود ترحمی کے درمیاں زیست کرتے، کبھی مصلحت سے بھی مزاحمت سے کام لیتے، کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اختلافات کی گہری جھیل، ذہنی عدم مطابقت، کمروں کے درمیاں فاصلے، ایک ہی گھر میں رہنے والوں کو ناآشنائی کی فضا میں سانس لینے پر مجبور کرتے ہیں۔ ہم درست باقی سب غلاط کا غلغلہ، دلوں کی الجھنوں میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔"۳۳

افسانہ "بایاں ہاتھ" انسان کی ذات کے تاریک حصے کو ظاہر کرتا ہے جس میں دائیں اور بائیں ہاتھ کی علامتی انداز میں کشمکش کو بیان کیا گیا کہ بائیں ہاتھ کو وجود سے دور کرنے کے باوجود یہ وجود سے جڑا رہتا ہے۔ گویا وجود کی ان تاریکیوں میں نجات کا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

"میں نے بہت چاہا کہ میں پھر وہی وجود بن جاؤں جو دراصل میں تھی۔ وہ جو دیکھنے والوں کو بہت بھاتا تھا۔ جو لطیف خوشبوؤں اور رنگوں کی شبیہ تھی اور روح پرور موسیقی کی لہر تھی لیکن ایسا نہ ہوا۔"۳۴

افسانہ "گجر" میں ماضی سے حال تک کا سفر، مادہ پرستی، تجسس اور جستجو کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ گجر وقت کی علامت ہے۔ وقت اور موسم کوئی ہو گجر بجتا رہتا ہے۔ افسانہ "چینی کا پیالہ" میں کائنات کی تہہ داریوں اور علم وعرفان کے ذریعے وجود کی حقیقت کو پیش کیا گیا

ہے۔ جب کہ "الاؤ" کی سلیمہ تنہائی اور اکیلے پن کا شکار دکھائی دیتی ہے۔ افسانہ "مکڑی" میں انسانی عقل کو مکڑی کے جالے کی طرح چالیں بنتا دکھایا گیا ہے۔ وہ طاقت کے باوجود اس جال سے رہائی حاصل نہیں کر پاتا۔ بقول ڈاکٹر انوار احمد:

"بے رحم کائنات میں تنہا اور نہتا آدمی مناظر کے ساتھ ساتھ اپنی نظر سے الجھتا گمشدہ رشتوں کی کرچیاں تحت الشعور سے چنتا اور اپنی پہچان اور اثبات کے مستقل حوالے کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتا ہے۔"۳۵

خالدہ حسین کی کہانیاں خارجی حقائق اور باطنی کیفیات سے تشکیل پاتی ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں متصوفانہ خیالات اور وجودی مسائل کو پیش کیا ہے۔ افسانہ "مصروف عورت" میں عورت کا وہ روپ ہے جس میں عدم تحفظ، شناخت کے بحران اور نفرت، لاحاصلی وغیرہ جیسے موضوعات کو پیش کیا گیا ہے۔ ہر شخص عورت کے وجود سے توقعات تو رکھتا ہے مگر اس کی قربانیوں کی قدر کرنے کے بجائے انھیں ذمہ داری کا نام دیا جاتا ہے۔ افسانہ "زوال پسند عورت" میں عورت اور مکھی، دو الگ جنسوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ تبسم جب کچھ لکھنے بیٹھتی ہے تو کوئی نہ کوئی کام آڑے آجاتا ہے۔ ایک مکھی کہیں سے اُڑتی ہوئی اُس سطر پر آبیٹھی ہے جہاں اس کا قلم چل رہا ہوتا ہے۔ وہ پاس ہی رکھے اخبار سے اسے مار ڈالتی ہے لیکن اس عمل سے قلم کی روشنائی سوکھ جاتی ہے۔

خالدہ حسین اپنے افسانوں میں زندگی کی پر اسراریت اور آنکھوں سے اوجھل حقیقتوں کو سمجھنے کی دعوت دیتی ہیں۔ وہ ایسی علامتیں پیش کرتی ہیں جن سے انسان کی سوچ اور فکر و خیال میں تبدیلی رونما ہو۔ انھوں نے افسانے میں ایک نئے طرز احساس کو روشناس کرایا ہے، اور اسلوب کی روانی، ہم آہنگی اور تکنیکی بنیادوں سے علامت، تجرید، استعارہ، شعور کی رو اور آزاد تلازمہ کا سہارا لے کر کہانی کو نکھارا۔ وہ بامعنی علامتوں کے ذریعے انسان کی داخلی اور خارجی کیفیات کو پیش کرتی ہیں۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان لکھتے ہیں:

"ان کہانیوں کا کرب اور ان کی احساساتی شدت نے لوگوں کو چونکا دیا، ان کا رشتہ وجودی کرب سے جوڑا گیا۔"۳۶

خالدہ حسین کو اپنی بات کہنے کا فن حاصل ہے۔ وہ اپنے طبعی میلان، مناسبت اور تخلیقی مہارت کی بنیاد پر انسانی وجود اور اس کی زندگی کے مختلف زاویوں کو پیش کرتی ہیں۔ وہ زندگی میں ہونے والے واقعات کو غیر معمولی طور پر فرد کی خارجی و داخلی زندگی کے باطن سے روشناس کراتی ہیں۔ انھیں یہ سب کچھ کہنے میں کسی قسم کی دقت یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ وہ اپنے تجربات و احساسات کو کہانی کے ذریعے قارئین تک پہنچاتی ہیں۔ خالدہ حسین نے اپنے تخلیقی اور حسی تجربوں کے اظہار کے لیے تہہ داری اور گہری معنویت کا پہلو اختیار کیا۔ ان کے افسانوں میں ذات کی پہچان اور عدم تحفظ کے احساس کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ خالدہ حسین کے موضوعات عام زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ انھی سے اپنی کہانیوں کا خمیر تیار کرتی ہیں۔ بلاشبہ خالدہ حسین کے افسانے ان کی تخلیقی ریاضت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مرزا اطہر بیگ کے مطابق:

"وہ حسی ادراکات اور محسوسات پر مبنی الفاظ کے ایک تسلسل کو جنم دیتی ایک ایسی دنیا کی تشکیل ہے جسے آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ کہی سے بھی پہلے ان کہی کو بیان کرتی ہے۔"۳۷

آج کے افسانوی ادب میں وجودیت کا گہرا اثر پایا جاتا ہے۔ اس نے عصر حاضر کے مخصوص سیاسی، سماجی، معاشرتی، مذہبی، اخلاقی اور فکری صورتحال کو پیش کیا اور وجودی عناصر اب ہمارے ادب کا ناگزیر حصہ بن گئے ہیں۔ وجودیت داخلی تفکر، جس میں حقیقت کا ادراک فرد کے اندرونی تجربے پر ہے۔ گویا یہ اثبات ذات کی تلاش کا سفر ہے۔ خالدہ حسین نے اپنی کہانیوں میں ذات کی پہچان، عدم تحفظ کا احساس اجنبیت، تنہائی، خوف اور قدروں کا زوال جو آج کے معاشرے میں سرایت کر گئی ہیں، انھیں وجودی عناصر کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی۔ خالدہ حسین خواتین افسانہ نگاروں میں ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ انہوں نے اردو افسانے کے امکانات کو وسیع کرتے ہوئے اس صنف کو تقویت دی۔ انھوں نے انسانی وجود اور اس کی ذات پر کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور بتایا کہ وجودی عناصر انسان کو اپنا بوجھ خود اٹھانے کے قابل بناتے ہیں۔ وہ دنیا کو اپنی نظر سے دیکھنے، زندگی گزارنے اور خیال کی آخری سرحد تک پہنچنے کا احساس دلاتی ہیں۔ خالدہ حسین نے اس بات پر زور دیا کہ انسان اپنی ذات کا ادراک کرے اور فرار اختیار کرنے کے بجائے اپنے وجود کی شناخت کرے۔

خالدہ حسین وجودی فکر کی حامل افسانہ نگار جنھوں نے فرد کے وجود کے مختلف اکائیوں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے انسانی شناخت اور اس کے وجود کو سمجھنے اور اس پر ہونے والے اثرات کو نئے امکانات کے طور پر متعارف کرایا۔ انھوں نے فنی اور تکنیکی حوالے سے مختلف پہلوؤں پر زور دیا ہے۔ حیات انسانی کو سمجھنے کے لیے انہوں نے علامتوں، استعاروں اور تمثالوں کے ذریعے سے پیچیدہ مسائل کو اجاگر کیا۔ ان کے افسانے وجودی فکر کے آئینہ دار ہیں۔ انھوں نے ان وجوہات کا کھوج لگانے کی کوشش کی جو آج انسانی وجود کی شناخت اور پہچان میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ خالدہ حسین نے اپنی فنی مہارت اور جستجو کے ذریعے انسانی وجود کے حقائق کی تفتیش و تفہیم کرنے کی کوشش کی۔ وجودی فکر کے ذریعے شناخت کا مسئلہ اور عدم تحفظ کا احساس ظاہری سطحوں کو ٹوٹ پھوٹ اور اس کے سیاق وسباق کو انسانی تجربے کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔

حوالہ جات

1. تاج پیامی، ڈاکٹر، شعور تنقید، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۹
2. جاوید حسین قاضی، وجودیت، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۱۱
3. جمیل اختر مجبی، ڈاکٹر، فلسفہ وجودیت اور جدید اردو افسانہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۲ء، ص ۸۷۔ نصرت نبی، جدید اردو افسانے میں وجودیت کے عناصر مشمولہ اردو ریسرچ جرنل، شمارہ ۱۳، نئی دہلی بھارت، ص ۵۹
4. ۔ رشید امجد، افسانے کے نئے موضوعات، مشمولہ، پاکستانی ادب: تنقید؛ پانچویں جلد، ۱۹۸۲ اکادمی ادبیات پاکستان، ص ۸۲۷۔ خالدہ حسین، مجموعہ، "پہچان"، مطبوعہ تعارفی مجلہ پاکستان نیشنل اکیڈمی کراچی، س ن، ص ۵
5. ۔ قرۃ العین طاہرہ، ڈاکٹر، خالدہ آپا، مشمولہ ماہنامہ اخبار اردو اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۹ء ص ۳۷

6. خالدہ حسین، بھٹی مشمولہ، دروازہ، مجموعہ خالدہ حسین، (پہچان، دروازہ، مصروف عورت، ہیں خواب میں ہنوز، میں یہاں ہوں، کاغذی گھاٹ)، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۸ء ص ۲۴۶
7. ایضا، ص ۲۴۷
8. خالدہ حسین، زبان مشمولہ مصروف عورت، ص ۳۲۰
9. خالدہ حسین، دوسرا آدمی، مشولہ، دروازہ، ص ۲۶۵
10. خالدہ حسین، مکالمہ، مشمولہ، مصروف عورت، ص ۳۴۱
11. ایضا، ص ۳۴۲
12. محمد منشایاد، خالدہ حسین کا فن مشمولہ ادبیات، جلد ۱۶ شمارہ ۶۶، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء ص ۱۶۳
13. خالدہ حسین، ایک بوند لہو کی، مشمولہ، پہچان، ص ۱۴
14. ایضا، ص ۱۵
15. اعجاز راہی، ڈاکٹر، اردو افسانے میں علامت نگاری، ریز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۲ء، ص ۲۵۹
16. خالدہ حسین، دھند، مشمولہ، میں یہاں ہوں، ص ۵۸۲
17. اسجاد حیدر، ڈاکٹر، خالدہ اصغر سے خالدہ حسین: پہچان سے میں یہاں ہوں تک، مشمولہ، الزبیر، شمارہ ۱، اردو اکیڈمی، بہاولپور، ۲۰۰۹ء، ص ۹۰
18. خالدہ حسین، ابن آدم، مشمولہ، میں یہاں ہوں، ص ۶۳۲
19. طاہر مسعود، ڈاکٹر،، یہ صورت گر کچھ خوابوں کے (عبد حاضر کے ۱۳۴ اہم ادیبوں کے انٹرویو)، کراچی، اکادمی بازیافت، ۱۹۸۵، ۲۹۱
20. اعجاز راہی، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ، ریز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۷۵
21. خالدہ حسین، شہر پناہ، مشمولہ پہچان، ص ۲۵
22. ناہید قمر، ڈاکٹر، اردو فکشن میں وقت کا تصور، اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، ص ۲۶۴
23. خالدہ حسین، ایک دفعہ کا ذکر ہے، مشمولہ، مصروف عورت، ص ۳۱۰
24. ایضا، ص ۳۱۱
25. خالدہ حسین، پرندہ، مشمولہ پہچان، ص ۱۲۴
26. محمد حمید شاہد، اردو افسانہ صورت و معنٰی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۸
    a. انتظار حسین، علامتوں کا زوال، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، انڈیا، ۲۰۱۱ء، ص ۲۳۲ ۲۹۔
    b. کشور ناہید، لکھنے والیوں کی تنہائی، مشمولہ، اپنی نگاہ اثر، لاہور، ص ۴۷

27. نجیبہ عارف، ڈاکٹر، نئے اردو افسانے کی متصوفانہ جہتیں مشمولہ نیا اردو افسانہ، مرتبہ: یاسمین حمید، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴، ص ۱۰۴

28. مبین مرزا، پہچان کا دروازہ اور زندگی کا گھاٹ۔ خالدہ حسین، سہ ماہی، امروز، علی گڑھ، کتابی سلسلہ (۱۳) جنوری۔ مارچ ۲۰۲۰ء ص ۵۵

29. قرۃ العین طاہرہ، ڈاکٹر، خالدہ آپا، مشمولہ ماہنامہ اخبار اردو اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۹ء ص ۳۶

30. خالدہ حسین، بایاں ہاتھ، مشمولہ پہچان، ص ۱۳۴

31. انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ،، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۵۰۰

32. سہیل احمد، ڈاکٹر، طرفیں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ س۔ن، ص ۱۱۱

33. مرزا اطہر بیگ، خالد حسین کی دنیا: شعور اور واقعے کی وجودی مظہریت، مشمولہ نیا اردو افسانہ، مرتبہ یاسمین حمید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴، ص ۱۵۲-۱۴۸